آندھرا پردیش میں عزاداری کی روایت۔ ماضی اور حال

ڈاکٹر رحمت علی خاں ☆

دکن میں شیعیت کا فروغ بہمنی سلطنت، یعنی ۱۳۵۷ء سے شروع ہوا۔ اس دور میں ایرانی، اور عراقی بڑی تعداد میں گلبرگہ آئے اور یہاں بڑے اہم عہدوں پر فائز ہوئے۔[1] تاریخی اعتبار سے پہلا عاشور خانہ محمد شاہ بہمنی دوم کے عہد میں، ۷۹۳ ہجری مطابق ۱۳۹۲ء سے پہلے،[2] ساگر میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بیدر میں احمد شاہ بہمنی کے مقبرے پر بھی حضرت علیؑ اور شیعہ درود تحریر ہے۔[3] اسی کے دور میں بیدر میں شخصی سطح پر عزاداری شروع ہوئی ہوگی۔[4] بیدر میں تختِ کرمانی میں محرم کی عزاداری پندرھویں صدی عیسوی میں ہوا کرتی تھی۔[5] اس وقت زیادہ تر غیر ملکی لوگ شیعہ تھے۔[6] اسی دور میں ایک نئی زبان، دکنی اردو، کو بھی فروغ شروع ہوا اور اس زبان کے شعرا صرف حضرت حسینؑ اور معرکۂ کربلا پر مرثیے لکھا کرتے تھے۔ اسی دور، یعنی پندرھویں صدی کے آخری حصے میں اشرف کی مثنوی 'نوسرہار' پہلی مثنوی لکھی گئی۔[7]

بیجاپور کا یوسف عادل خان وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے ۱۵۰۳ء میں ہی شیعیت کے سرکاری مذہب ہونے کا اعلان کردیا تھا اس طرح پورے ہندوستان میں بیجاپور پہلی شیعہ حکومت بن کر ابھری۔[8] اسماعیل عادل خاں بھی شیعہ رہا جس کے صلے میں ایران کے شاہ اسماعیل صفوی نے اُسے پوری طرح نوازا۔ اس کے بعد علی عادل شاہ اول کٹر شیعہ بادشاہ ہوا ور اس نے دکن میں شیعیت کی

☆ سابق کیپر مخطوطات سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد

۱- 'عہد بہمنی میں فارسی ادب' ایم۔اے۔ میمن، ٹائپ شدہ تھیسس، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری، حیدر آباد، دکن کے بہمنی سلطان، ہاشم خاں شیروانی، دہلی ۔ ۱۹۷۸، ص ۹۴ وغیرہ

۲- دکن کے بہمنی سلطان، ہاشم خاں شیروانی، دہلی ۱۹۷۸، ص ۱۱۳

۳- ایضاً، ص ۱۴۹

۴- ملاحظہ ہو حوالہ (۱) ص ۱۵۱ ـ ۱۷۸

۵- ایضاً، ص ۱۷۶ـ۷۱ ۔ دکنی کلچر ہارون خاں شیروانی، دہلی ۱۹۷۱، ص ۳۲ دکن میں مرثیہ اور عزاداری: ڈاکٹر راشد موسوی، دہلی ۱۹۸۹، ص ۴۸

۶- دکن میں مرثیہ اور عزاداری، راشد موسوی، دہلی ۱۹۸۹، ص ۱۷ اور دوسرے مصنفین جیسے محمد علی اثر اور طیب انصاری وغیرہ وغیرہ کی تحریریں۔

۷- 'پروگریس آف پرشین لٹریچر ڈیورنگ عادل شاہی ڈائنسٹی آف بیجاپور، رحمت علی خاں کا ٹائپ شدہ تھیسس، دہلی یونیورسٹی لائبریری دہلی۔ دکن کے بہمنی سلاطین، ہارون خاں شیروانی، ص ۲۹۶ اور ۲۹۹

۸- تاریخ فرشتہ..... واقعات مملکت بیجاپور، بشیر الدین احمد، دکن کے بہمنی سلطان، ص ۳۰۰-۲۹۹

کافی تبلیغ کی۔۱ حالانکہ یہاں کوئی عاشورخانہ نہیں ہے لیکن محرم کی رسوم اطہر محل میں انجام دی جاتی رہی ہوں گی۔ برہان الدین جانم نے گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں دکنی مرثیہ نظم کیا۔۲ علی عادل شاہ دوم کے زمانہ میں عزاداری نے مستحکم شکل اختیار کرلی۔ اب روزانہ مجلسیں برپا ہوتیں اور ان میں مرثیے پڑھے جاتے۔ مرزا وہ پہلا دکنی شاعر ہے جس نے ایسا مکمل مرثیہ نظم کیا جس میں معرکۂ کربلا کی تمام تفصیلات، گھوڑے اور تلوار کی تعریف وغیرہ سب کچھ بیان کیا گیا ہے۔۳

میری اپنی رائے یہ ہے کہ محرم کی رسوم میں ہندوستانی خصوصاً مہاراشٹر کے اثرات کے غلبے سے علموں پر پھول چڑھانے، تبرک کی تقسیم، ناریل پھوڑنے اور جانوروں کی شکلیں اختیار کرلینے جیسی چیزیں در آئیں۔ بہمنیوں کی تاسی کرتے ہوئے احمد نگر کے نظام شاہی بادشاہوں میں شاہ طاہر نے اعلانیہ طور پر شیعیت کو متعارف کروایا اور ہرے جھنڈے کے ساتھ شیعہ خطبہ بھی شروع کیا۔ شیعہ علماء کا تقرر ہوا اور پہلے تین خلیفہ پر سب وشتم شروع ہوا۔ گریہ و بکا، نوحہ خوانی اور سینے کا ماتم اس زمانے میں عام ہوا۔۴ اس مقام پر یہ حقیقت بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ۱۰۷۹ ھجری مطابق ۱۶۶۸ء میں بیجاپور میں فارسی میں ایک اہم تصنیف وجود میں آئی جس میں رسولِ خدا صلعم، ان کی بیٹی، بارہ شیعہ اماموں اور اُن کے عقائد کو قلمبند کیا گیا ہے جس کا نام ہے ''سفینۃ الاہل البیت۔۵

سلطان قطب الملک نے گولکنڈہ میں ۹۲۴ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں اپنی آزادی کا اعلان کیا۔۶ یہ خود شیعہ تھا اور اس نے گولکنڈہ میں اسی عقیدہ کو فروغ دیا۔۷

گولکنڈہ میں تین عاشورخانے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ 'نعل صاحب' وہ پہلا علم تھا جو ابراہیم قطب شاہ کے دور میں گولکنڈہ لایا گیا اور گولکنڈہ کے عاشور خانہ میں پہلی بار رکھا گیا۔۸ محمد قلی قطب شاہ وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے شیعیت کی جم کے تبلیغ کی۔ وہ خود بھی مرثیے نظم کرتا تھا مگر وجہی پہلا دکنی شاعر ہے جس نے گولکنڈہ میں مرثیے لکھے۔

قلی قطب شاہ نے حیدر آباد شہر پر تسلط قائم کرکے چار مینار کی عمارت تعمیر کی۔ بہرحال اس عمارت میں تعمیر کا مقصد ابھی تک متنازعہ فیہ ہے۔ اس نے ۹۳-۱۵۹۲ میں پہلا عاشورخانہ تعمیر کروایا

۱- واقعاتِ مملکتِ بیجاپور، بشیرالدین احمد آگرہ۔ ۱۹۱۵، ص ۳۴ ۲- دکن میں مرثیہ اور عزاداری ص ۷-۵۶، ۶۲ اور ۵۶

۳- ایضاً ص ۴۹ تا ۵۲ ۴- اے کیٹلاگ آف پرشین مینسکرپٹس، سالار جنگ میوزیم، جلد۱، محمد اشرف، حیدر آباد ۱۹۶۵، کیٹلاگ نمبر ۱۲۴

۵- 'ڈیکن، دی بہمنی سلطانس، ص ۲۹۲ ۶- ڈیکن مین، مرثیہ اینڈ عزاداری، ص ۵۳

۷- 'فرخندہ بنیاد' ست گروپرشاد، حیدر آباد، ۱۹۴۵ ص ۱۰، ۱۴۸ر اور ۱۵۵ ۸- الف، ڈیکن، دی بہمنی سلاطین، ص ۳۱-۳۰

جو بادشاہی عاشورخانہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۱] الف اس طرح اسے سولہویں صدی کے آخری حصے میں ہندوستان کا پہلا سب سے بڑا عاشورخانہ مانا جاسکتا ہے۔ بعد میں محمد قلی قطب شاہ ہر سال نعل صاحب علم کو گولکنڈہ سے حیدرآباد لایا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے حسینی علم عاشورخانہ تعمیر کروایا۔[۲] لیکن جہاں پورے دکن میں شیعیت کی عمومی مقبولیت کا سوال ہے وہ عبداللہ قطب شاہ (۷۲-۱۶۲۵) کے دور میں ہی ظہور میں آئی۔ اس زمانے میں سنی بلکہ ہندو بھی محرم کی رسوم میں دل کھول کر حصہ لینے لگے۔ اس نے اور اس کی والدہ حیات بخش بیگم نے مشہور علاوہ سرطوق اور پنجا شاہ عاشور خانہ تعمیر کروایا۔ اس نے بادشاہی عاشور خانہ کی بھی مرمت اور تزئین کاری کروائی اور نیا عاشور خانہ تعمیر کروایا جو اج کل 'بی بی کا علم' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ علم عوام میں اب بھی بہت مقبول اور محترم سمجھا جاتا ہے اور ۱۰ محرم کو ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ نے محرم کی عزاداری کے قواعد وضوابط بھی مرتب کیے۔[۳]

اس موقع پر بہت سے ہندو حضرات شریک ہوتے تھے، ہندو خواتین، ان کی لڑکیاں، ہندو جوگی اور فقیر وغیرہ ۱۰ محرم کو اسنان کرتے تھے۔ نیا لباس پہنتے تھے اور شاہی جلوس کے علاوہ میں شربت لے کر حاضر ہوتے تھے اور اسے وہاں تقسیم کرتے تھے۔ اس موقعے پر وہ بادشاہ کو نذر بھی پیش کرتے تھے۔ اور اگر اس زمانے میں ان کے یہاں کسی بچے کی پیدائش ہوتی تھی تو اس کا نام حسین رکھتے تھے۔ ان دس دنوں کے وقفے میں کوئی تفریحی کام نہیں کیا جاتا تھا۔[۴] میرا خیال یہ ہے کہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے اسی شدید جذبے کے اثر سے محرم کی رسوم کو دوردراز علاقوں میں پہنچنے میں مدد ملی اور یہ اثر آندھراپردیش میں آج بھی دیکھا جاسکتا ہے[۵] یہ روایت ۱۶۸۷ میں گولکنڈہ اور حیدرآباد کے زوال کے بعد بھی باقی رہی۔ دکنی اردو کے سب سے اعلیٰ درجے کے مرثیے اسی دور میں نظم کیے گئے۔[۶] اسی دور میں تیلگو شعراء نے بھی حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کے شان میں نظمیں لکھیں۔ ریال سیما اور آندھراپردیش کے عام دیہاتوں میں، اس یقین کے باوجود کہ یہ ہندوستانی تہذیب کے ہیرو

۱- ایضاً ۴ ر اور ۱۰ تا ۱۴ اور ۳۱ بالترتیب ۲- تا ۲۳- حدیقۃ السلاطین، نظام الدین احمد، حیدرآباد، ۱۹۶۱، ص ۴۸ تا ۵۸۔ فرخندہ بنیاد حیدرآباد: ست گرو پرشاد، محمد قلی قطب الدین شاہ ہارون خاں شیروانی، دہلی ۱۹۶۷، ص ۳۲-۳۰، حیدرآباد کی دستان، 'سیاست کی اشاعتوں میں سے ایک... راحت عظیم، حیدرآباد، ۱۹۹، ص ۱۴۰ تا ۱۴۹، گلمپسیز آف قطب شاہی کلچر، ایڈیٹر ایم......۱۹۸۶ ص ۳۲ تا ۳۴۔ اور ۴۱ تا ۴۴، سالار جنگ میوزیم، بائی اینول جرنل، ایڈیٹر ڈاکٹر ایم ایل مرنگم، حیدرآباد ۸۹-۱۹۸۳ ص ۲۷ اور ۲۸

نہیں ہیں، یہ اب بھی گائے اور پڑھے جاتے ہیں۔[۱]

روزِ عاشور یعنی ۱۰ ارمحرم کو تیلگو میں ''پیرلا پانڈوگا'' کہا جاتا ہے اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو بالترتیب، 'اشانا' اور 'اوشانا' کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ پانچویں اور ساتویں محرم کو یہ لوگ المیۂ کربلا کو تیلگو میں سنا کرتے تھے۔ ۱۰ محرم کو یہ لوگ آواز کے ساتھ گریہ و بکا کرتے تھے اور محرم کے جلوس میں پا برہنہ شامل ہوتے تھے۔[۲] آندھرا پردیش میں آج تک بھی بہت سے عاشورخانوں کے 'انچارج' ہندو ہی ہیں اور ان کا عقیدہ اتنا پختہ ہے کہ یہ لوگ یا حسنؑ یا حسینؑ کے نعرے لگاتے ہوئے ننگے پیر آگ پر چلتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاشورخانوں کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہندوستان میں تہذیبی ہم آہنگی اور قومی ایکتا پیدا کرنا تھا۔ علم اور پنجے حق، ایمانداری اور صفائے قلب کی علامتیں بن گئے تھے۔ عاشورخانوں کے دروازے بلا تفریق مذہب و علاقہ ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ لنگر کی روایت سنّی، شیعہ اور ہندو یکساں انداز میں پوری کرتے تھے۔ اس پورے طرزِ عمل میں محرم کی رسوم کو پورا کرنے کے سلسلے میں لوگوں نے بہت سے ہندوستانی عناصر کو اپنا لیا تھا۔ مثال کے طور پر شیر کا روپ بھرنا، اپنے جسموں کو مختلف رنگوں سے رنگنا، موسیقی کے ساز بجانا، بھنے چاول (مُرمُرے) بانٹنا، گڑ اور ناریل (بانٹنا) جو خالص ہندوستانی روایت ہیں۔ تیلگو گیتوں کے ساتھ ساتھ حضرت حسینؑ کی تعریف میں مراٹھی اور کنڑ زبانوں میں بھی گیت ہونے کا امکان ہے۔[۳]

آصف جاہ اول کے زمانہ میں مجالس میں فارسی روضۃ الشہداء ابھی اتنی ہی رائج اور مقبول تھی جتنی تیلگو مرثیے۔[۴] ولی ویلوری نے اسی زمانے میں دکنی میں روضۃ الشہداء نظم کی[۵] 'نہایت السؤل' حضرت حسینؑ کی سوانح عمری ہے جسے عبدالوہاب آرکاٹی نے ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۵ میں کرناٹکا کے

۱- دکنی کلچر: ہارون خاں شیروانی، انفلوئنس آف اردو آن تیلگو، ڈاکٹر وی سواراجیہ لکشمی، حیدرآباد، ۱۹۸۹، سالار جنگ میوزیم، بائی انول جرنل، ایڈمنسٹریٹر ڈاکٹر ایم ایل۔۔۔ اور آرٹیکل از ڈاکٹر دھرمیندر پرشاد ۸۴/۱۹۸۳ص اور گلمپسیز آف قطب شاہی کلچر، ایڈیٹر ایم۔ایل۔ نگم، اور مرتبہ......ڈاکٹر صادق نقوی اور ڈاکٹر دھرمیندر پرشاد، حیدرآباد ۱۹۸۲، ص ۳۲، ۴۳، ۴۱، ای۔ ۴۴، دکن میں مرثیہ اور عزاداری، ڈاکٹر راشد موسوی وغیرہ

۲- گلمپسیز آف قطب شاہی کلچر، ایڈیٹر، ڈاکٹر ایم ایل مرگم مرثیہ دھرمیندر پرشاد اور ڈاکٹر صادق نقوی، حیدرآباد ۱۹۸۲ ص ۳۲، ۳۴، ۴۱، ۴۳، ۴۴، اور دہلی میں مرثیہ اور عزاداری، ڈاکٹر راشد موسوی وغیرہ

۳- اے کیٹلاگ آف دی پرشین مینسکرپٹس، سالار جنگ میوزیم، محمد اشرف حیدرآباد ۱۹۶۵ کیٹلاگ نمبر ۱۱۲، ۱۳۶ اور ۱۴۷ وغیرہ

۴- 'دکن میں مرثیہ اور عزاری، ڈاکٹر راشد موسوی، ص ۶۹/ اور ڈیکن کلچر، ڈاکٹر ایچ۔ کے شیروانی، اور گلمپسیز آف قطب شاہی کلچر وغیرہ

۵- اے کیٹلاگ آف پرشین مینسکرپٹس، سالار جنگ میوزیم لائبریری، مخدوم اشرف حیدرآباد ۱۹۶۱، کیٹلاگ نمبر ۱۴۴، ۱۴۵، اور ۱۵۴

نواب والا جاہ کے لئے مرتب کیا۔[۱] جب مغلوں نے میسور پر قبضہ کرلیا تو ساراکے نواب نے وہاں ایک امام باڑہ ۱۷۱۹ میں تعمیر کیا۔ بعد میں کرناٹکا کے کچھ نوابوں اور ٹیپو سلطان نے سری رنگا پٹنم میں امام باڑے تعمیر کرائے۔ باقر آغا نے بھی ایک کتاب اور کافی تعداد میں مراثی تصنیف کیے۔[۲]

پھر جب آصف جاہ دوم نے زمامِ حکومت سنبھالی اور ۱۷۶۴ میں اپنا دارالسلطنت حیدرآباد میں منتقل کیا تو اس نے قطب شاہی بادشاہوں کی تہذیبی تاریخ کو دہرایا۔ تمام عاشور خانوں کی مرمت کرکے انھیں دوبارہ کھولا گیا اور اُن کے انچارج مقرر کیے گئے۔ اس کا وزیرِ اعظم شیعہ تھا اس نے ایک اور رئیس نوازش علی خاں شیداؔ نے حیدرآباد کی تہذیبی زندگی میں ایک نئی روح پھونکنے میں آصف جاہ (دوم) کی مدد کی۔ لنگر کا جلوس شروع کیا گیا۔ اس دور کی خصوصی بات یہ ہے کہ محرم کی نیاز نذر کا سلسلہ سنی، شیعہ اور ہندوؤں میں عام طور پر رائج ہوگیا۔ اس کے لیے کھچڑی، شربت، روٹ، چونگے، اور بٹی جیسی مخصوص چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔ جانوروں جیسے شیر وغیرہ کی شکلوں کا روپ بھرنا بھی رائج ہوا۔ سلامی مارچ (مارچ پاسٹ) دوبارہ شروع کیا گیا۔ چراغاں محرم کی دوسری خصوصی مد بن گیا۔[۳] آصف جاہ ششم عزاداری کا بڑا مضبوط حامی تھا اور اس نے دل کھول کر اس کی سرپرستی کی۔ سرسالار جنگ کے دور میں میر انیسؔ لکھنوی حیدرآباد آئے جس سے مرثیے کی تصنیف میں ایک انقلاب سا پیدا ہوگیا۔ مرثیہ خوانی سے پہلے سوز خوانی کا طریقہ شروع ہوا۔[۴]

سوانگ اور زیادہ مقبول ہوا۔

محرم کے جلوسوں میں فوج نے بھی شرکت کرنا شروع کردی۔ مختلف رنگوں اور طرح طرح کے ڈیزائنوں کے لکڑی کے گملوں اور برتنوں کو سجاوٹ میں استعمال کیا جانے لگا جو خالص ہندو روایت ہے۔ اس دور میں حیدرآباد، میسور، مدراس اور بمبئی میں بہت سے شعرا نے فارسی اور اردو میں مرثیے، نوحے اور سلام لکھے۔ اسی دور میں فاتحہ اور بی بی کی صحنک کا رواج بھی عام ہوا۔ مدراس میں ایک بڑا عاشور خانہ، عباسی، یا بڑا نقشہ، نام سے تھا۔ حیدرآباد کے امراء کی ایک بڑی تعداد اپنے محلوں میں محرم میں عزاداری کی مجالس منعقد کرتی تھی جن میں سے کچھ میں خود آصف جاہ ششم بھی شریک ہوتے تھے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد نے صرف شعراء کی سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ خود بھی اردو میں

۱۔ دکن میں مرثیہ اور عزاداری، راشد موسوی ۱۹۸۹، دہلی ص ۷۱ تا ۵۲۵ سے ۲۰۲

۲۔ تا ۴۔ ایضاً ص ۷۱ تا ۸۰ اور...... راحت اعظمی، حیدرآباد ۱۹۹۸، ص ۶۲ سے ۶۶ اور ۹۷، فرخندہ بنیاد حیدرآباد، ست گورو پرشاد، حیدرآباد، ۱۹۴۵، ص ۱۲۳، ۱۰، ۱۲۳، ۱۳، ۲۰

ایک مرثیہ نظم کیا۔[۱] آخری نظام آصف جاہ ہفتم شیعیت کی طرف خاصہ گہرا میلان رکھتے تھے۔ یہ خود اور ان کے امراء جی کھول کر عزاداری کی سرپرستی کرتے تھے اور آخر میں انھوں نے حیدرآباد کا آخری شاہی عاشورخانہ موسوم بہ عزاخانۂ زہرا تعمیر کروایا۔ اب تعزیوں اور علم کے جلوسوں کی کافی بڑی تعداد ختم ہوگئی ہے صرف ایک ''بی بی کا علم'' کا جلوس ۱۰ رمحرم کو نکالا جاتا ہے جس کے بعد 'نعل صاحب، اور حضرت عباس کا علم، نکلتے ہیں۔ موجودہ حکومت کے افسران اس جلوس میں شریک ہوتے ہیں اور عاشور خانے جاتے ہیں۔ سنی حضرات بھی بڑی تعداد میں مجالس عزا میں شریک ہوتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے گھروں میں عزاداری کے لیے ایک کمرہ علاحدہ بھی مختص کرلیتے ہیں۔ اب بھی کچھ لوگ اپنے گھروں کی دیواروں پر پریوں، فرشتوں اور شیروں کی تصویریں بنا لیتے ہیں۔ اب بھی کافی بڑی تعداد میں ہندو چھوٹے چھوٹے عاشورخانوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، جلوس کے انتظامات میں شریک ہوتے ہیں اور آگ پر بھی چلتے ہیں۔ اس طرح عاشور خانے قومی یکجہتی اور ثقافتی ہم آہنگی کی ایک علامت کا روپ اختیار کرگئے ہیں۔

اب ہم اس مضمون کے دوسرے حصے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو کلیانی میں عزاداری کے خصوصی مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ کلیانی ایک مضبوط قلعے والی چھوٹی سی ریاست تھی۔ اپنی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے یہ قرونِ وسطیٰ دور کے ہندوستان میں ایک اہم مقام تصور کیا جاتا تھا۔ یہ بیدر اور رائچور شہروں کے درمیان واقع ہے۔ بہمنی سلطنت سے یہ گولکنڈہ اور حیدرآباد کے قطب شاہی شیعہ خاندان کے تسلط میں آیا۔ جب ۱۷۲۴ میں اشرف شاہ اول دکن کا خودمختار حکمراں ہوا تو یہ اس کے قبضے میں رہا، بعد میں اس نے اس قلع دار ریاست کو اپنے امیر اور داماد میر کلاں خاں قیام الملک میر ابراہیم حسین کربلائی کو بطور جاگیر، دے دیا۔ یہ اور اس کے وارثین آصف جاہی خاندان کے وفادار رہے اور کلیانی میں امن وسکون برقرار رکھا۔ بہرحال اب یہ ریاست کرناٹکا کا حصہ ہے۔ بعد میں آصف جاہ سوم نے اُس کے پوتے سید محمد معین الدین حسین شاہ خیرالدین دوم کو، بہت سے خطابات کے ساتھ اپنی لڑکی نکاح میں دی۔ یہ تمام نواب سنی المذہب تھے۔ اصل میں سید محمد بابر حسین نے اٹھارویں صدی کے اواخر میں کلیانی محرم کی عزاداری کی ابتداء کی۔ اس کے پرپوتے سید محمد جمال الدین

۱- ایضاً ص ۷۱ تا ۸۰ اور... راحت عظمیٰ، حیدرآباد ۱۹۹۸، ص ۶۲ سے ۶۶ اور ۹۷، فرخندہ بنیاد حیدرآباد، ست گورو پرشاد، حیدرآباد، ۱۹۴۵، ص ۱۲۳، ۱۰، ۱۲۳، ۱۳، ۲۰

حسین خاں نے کلیانی کا محرم کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی اور اسے ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد سے شائع کیا۔[1]

اس طرح کلیانی میں عزاداری اور جلوس کی تیاری قمری مہینہ ذی الحجہ کے شروع ہونے پر توپ کے گیارہ گولے داغے جانے سے شروع ہوتی تھی[2] محرم کی عزاداری عام طور پر بارہ دن کی ہوتی تھی۔ ۲۰ ذی الحجہ کے بعد عزاداری کے سلسلے کی تمام خریداری حیدرآباد شہر سے کی جاتی تھی۔ ۲۰ ذی الحجہ کو ہی تمام عاشور خانوں کی چابیاں عاشور خانوں اور توشہ خانوں (گوداموں) کے کلید برداروں کو ہدایات اور مٹھائی پر فاتحہ کے ساتھ سونپ دی جاتی تھیں۔ تحصیلدار اور سکریٹری اس سلسلے میں براہِ راست نواب کو جوابدہ ہوتے تھے۔ تیاری میں سب سے پہلا کام عاشورخانوں کی صفائی، قلعی اور روشنی کے انتظامات کا ہوتا تھا۔ ایک نجی فوج جس کا نام 'علی غول' تھا۔ عوام میں اطلاع اور اعلان کی غرض سے مشعلوں اور ملازموں کے ساتھ مارچ کرتی تھی۔ محرم کی ابتدا کے اعلان کے لیے نوبت بھی بجائی جاتی تھی۔ اس میں خادماؤں (ماماؤں) کا حصہ کافی اہم ہوتا تھا اور وہ نواب کو مختلف واقعات کی اطلاعات پہنچانے سے پہلے بادشاہ علی پکارتی تھیں۔ عید غدیر منانے کے لیے ۱۸ ذی الحجہ کی تاریخ مقرر تھی۔ محرم کے تمام کام مٹھائی پر فاتحہ پڑھ کر شروع کیے جاتے تھے اور اس کے بعد مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ یہ مرثیے کسی راگ راگنی کی بنیاد پر پڑھے جاتے تھے اور حیدرآباد اور لکھنؤ سے بہت سے مرثیہ خوان بلائے جاتے تھے۔ پورے دس دن گوشت کا استعمال وغیرہ بالکل بند کردیا جاتا تھا۔ بہت سے عاشور خانے 'علوۂ' کہلاتے تھے مگر سب سے مشہور 'بی بی کا علوۂ' تھا۔ شیرینی پر فاتحہ کے بعد پہلا، اللہ علم، ۲۹ر ذی الحجہ کو نکالا جاتا تھا۔ اس کے نصب کیے جانے میں دو دن لگتے تھے، اس کے بعد عباس علم، بازو کا علم، کربلا شاہ، ساما علم، بی بی کا علم، جُلال بخاری، چھوٹی بی، منجھلی بی کا علم، منبر کا علم، علم زین العابدین، نعل حیدر اور بڑے امام کا علم نکلتے تھے۔ بارہ دری کی صفائی کا کام سنار کرتے تھے، جو آثار شریف، رکھنے کے لئے مختص تھی۔ محرم کے چاند کی اطلاع نگاڑوں (نقاروں) اور نوبت بجا کر کردی جاتی تھی۔ سب سے پہلے حیدر محل سے 'شاہ جھنڈا' اور 'حسینی جھنڈا' نکلتے تھے۔ حسینی جھنڈا ہرے رنگ کا اور شاہ جھنڈا سفید ہوتا تھا۔ جھنڈوں پر تحریروں کے لئے زیادہ تر خطِ طغریٰ کا استعمال ہوتا تھا۔

۱- کلیانی کا محرم: سید محمد جمال الدین حسین خاں، حیدرآباد ۱۹۴۸، ص ۱ تا ۲۵/ اور سب رس (ماہنامہ) حیدرآباد، ستمبر ۲۰۰۳، ص ۶۶-۶۵

۲- ایضاً، ص ۱۰۵-۱۰۹

نواب حیدر محل میں اپنے افسروں سے ملتا تھا۔علموں اور بارہ دری پر پھول اور سہرے چڑھائے جاتے تھے۔عود وغیرہ سلگانے کے لئے عود دان استعمال ہوتے تھے۔تمام مجالس اور اجتماعوں میں عوام، یا علی دولہا، کا نعرہ لگاتے تھے۔ یہ لوگ ایک خاص قسم کے لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ عاشورخانوں کو سفید چاندنیوں اور ایسے سبز پردوں سے سجایا جاتا تھا جن پر پنجتن کے نام لکھے ہوتے تھے۔ چھت گیریاں لگائی جاتی تھیں اور گلدانوں اور گملوں میں گھاس جمادی جاتی تھی۔شمال مشرق کی طرف نگاڑے رکھے جاتے تھے اور آبدار خانہ شمال مغرب کی طرف ہوتا تھا۔ داخلے کا راستہ سیاہ چوبی کمان سے ہے جس پر قرآنی آیات ابھرے ہوئے انداز میں لکھی ہوتی تھیں، بڑے امام کی ٹٹی اور بُراق کی چوکی، کے ساتھ چھوٹی بی کی کمان، جنوب کی طرف ہیں اور اس کے سامنے نوبت خانہ تھا۔ بارگاہِ حسینی میں ایک علوہ، ہے جس میں بلوری ہانڈیاں، جھاڑ اور شیشے لگے رہتے تھے۔ اللہ علم، چاندی کا ہے اس لیے اُسے ہمیشہ سفید پس منظر کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ ’ساما علم‘ کا پس منظر سرخ اور حضرت عباس کے علم کا رنگ سبز، کربلا شاہ، کے علم کے علاوہ باقی تمام علم سفید پس منظر میں رکھے جاتے۔ نقار خانے کو الگ رنگ کے کپڑوں سے سجایا جاتا تھا، نقار خانے کے نیچے اونٹ کی شکل میں تابوت تھا۔ صفائی ستھرائی بالکل مکمل رہتی تھی۔ بلاتفریق عمر اور جنس تمام شہری وہاں جمع ہوتے تھے۔ حفاظتی امور کے لیے مخصوص پولیس دستہ تھا اور ٹریفک کا بھی مناسب بندوبست کیا جاتا تھا۔ بارگاہِ حسینی سے شاہ جھنڈا تک سڑک کے دونوں طرف دوکانیں تھیں۔ قہوہ، چائے، حلوہ سوہن اور مجومہ، سکھ مکھ، اور گُڑاکو، ہر جگہ مل جاتا تھا۔ عام طور پر علموں کی سواری فوج اور اس کے بینڈ کے ساتھ آگے بڑھتی تھی۔ سب سے پہلے سلام اور مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ ہر قیام کے موقع پر محافظ دستے (گارڈس) عرب اور پولیس علموں کو سلامی دیتے تھے۔ آخر میں وہ بارگاہِ حسینی میں نوبت اور شہنائی کی آوازوں کے ساتھ اپنی مقررہ جگہوں پر نصب کردیئے جاتے تھے۔نواب اس کے خاندان اور دوستوں کے لئے ایک جگہ مقرر تھی۔ علموں کو نواب کے مَس کرنے کے بعد نصب کیا جاتا تھا۔ ان میں سے کچھ عَلم بہت اونچے تھے۔ پھول، خوشبوؤں، عطر اور عوُد کا دھواں وہاں ہمیشہ اٹھتا رہتا تھا۔ ہر فاتحہ کے بعد عام لوگوں میں شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ ساما کے علم کے علاوہ باقی تمام علم اسی کے سامنے کھڑا کر کے جمادیئے جاتے ہیں۔ ممبر کے علم کی سفید حنی ہوتی تھی۔ کچھ علموں کے لیے فاتحہ کے بعد زیارت بھی پڑھی جاتی تھی۔

محرم کا چاند نظر آتے ہی نقارہ بجا کر اس کا اعلان کیا جاتا تھا اور بارگاہِ حسین کے قریب ایک

بہت بڑا شامیانہ نصب کردیا جاتا تھا۔ تمام عاشورخانوں میں فاتحہ خوانی ہوتی تھی۔ جس کے بعد اگلی صبح سے عزاداری شروع ہوجاتی تھی۔ بی بی کا علم اور دوسرے علم نواب اوراس کے مرد رشتے داروں کی موجودگی میں نصب کردیے جاتے تھے۔ نواب شاہی خاندان کی خواتین کے دربار میں جاتا تھا جہاں خواتین مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتی تھیں، قبولی اور شربت دو بجے تقسیم کیا جاتا تھا۔ مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے فقیری لباس پہننے کا حکم دیا جاتا تھا۔ علموں کے لیے پھریرے تیار کیے جاتے تھے۔ پہلے روز نواب کے کسی لڑکے کو گل فروش بننا ہوتا تھا۔ ہر تین گھنٹے کے بعد 'معارفہ' بجایا جاتا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد نواب بارگاہِ حسین جاکر سب سے پہلے ''اللہ علم'' کو سلام کرتا تھا۔ عاشور خانے کو بہت سی شمعیں جلاکر خوب روشن کیا جاتا تھا۔ اس دوران عوٗد برابر سلگتا رہتا تھا۔ اس کے بعد یہ اگلے تین علموں۔ 'ساما' 'عباس' اور 'کربلا' کی زیارت کرکے پھول چڑھاتے تھے، مرثیے پڑھے جاتے تھے اور شیر بیرنج اور گشتہ تمام حاضرین میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آخر میں مجلس کے اختتام کا اعلان معارفہ بجاکر کردیا جاتا تھا۔

دوسری محرم بی بی فاطمہ کا علم نصب کرنے کے لیے متعین تھی، یہ علم بارگاہِ حسین میں چار بجے نصب کیا جاتا تھا۔ فاتحہ کے بعد نواب گھوڑوں کا تفصیلی معائنہ کرتا تھا۔ اس کے بعد علموں کی گل پوشی اور فاتحہ ہوتی تھی جس کے بعد نوبت بجائی جاتی تھی۔ حاضرین میں بنّی تقسیم ہوتی تھی۔ معارفہ بجانے کے بعد نواب بارہ دری میں جاتا تھا جہاں خواتین مرثیے اور نوحے پڑھتی تھیں۔ محرم کے دنوں میں خواتین اور بچوں کو بارہ دری میں جانے کی اجازت تھی۔ فاتحہ کے بعد خصوصی روشنیاں پورے ماحول کو جگمگادیتی تھیں۔

تیسری محرم کو فاتحہ کے بعد نواب اپنے اونٹوں کا تفصیلی معائنہ کرتا تھا اور غریب غربا میں حلیم بانٹا جاتا تھا۔ علموں کے ساتھ اونٹ بھی چلتے تھے۔ آخر میں نواب اپنے ہاتھیوں کا معائنہ کرتے ہوئے دس محرم کے لیے ان ہاتھیوں کا انتخاب کرتا تھا جو اپنے پورے ساز و سامان اور ماہی مراتب کے ساتھ جلوس میں شامل ہوتے تھے۔ اس کے بعد نواب بارگاہِ حسین جاکر علموں پر پھول چڑھاتا تھا۔ نوبت کے بعد فوجیوں، اور عام غریب، غرباء کو قبولی تقسیم کی جاتی تھی۔

چوتھی محرم کو حسینی بنگلے پر شام ۴ بجے چھوٹی فاتحہ ہوتی تھی۔ اس وقت نواب اپنی فوج اور اس کے کچھ سپاہیوں کی مستعدی اور صلاحیتوں کا معائنہ کرتا تھا۔ یہ فوج مسلمان، ہندو، سکھ اور روہیلے سپاہیوں

پر مشتمل تھی۔ فاتحہ کے بعد نوبت بجتی تھی اور حلیم پیش کیا جاتا تھا۔

پانچ محرم کو نواب صبح دس بجے بارہ دری جاتا تھا جہاں اس کی دادی اُسے فقیر کا لباس پہناتی تھی۔ نواب کو بھیک مانگنا ہوتا تھا اور عام طور پر عورتیں اُسے بھیک دیتی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گل فروش بن جاتا تھا اور عام لوگوں کو پھول بیچتا تھا جو اِن پھولوں کو علی اصغر کے جھولے پر چڑھادیتے تھے۔ اس طرح جو بھیک اُسے ملتی تھی اس رقم کو چہلم کے دن 'دم ردت' چنگے، اور حلوہ سوہن کی تیاری پر خرچ کیا جاتا تھا۔ محل میں ایک علاحدہ آب دار خانہ اس شربت کے لیے بنا ہوا ہے جو گُڑ، سرخ شکر، دھرگئی، شکر، مصری اور میوے دار اور عرقِ گلاب ملے دودھ میں ملا کر بنائے اور بانٹے جاتے تھے ان دنوں میں زیادہ تر لوگ سبز لباس پہننے کو ترجیح دیتے تھے۔ فاتحہ کے بعد چھوٹے چھوٹے بٹوؤں میں نقل بانٹے جاتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو چار بجے چھت پر چڑھ کر نواب کی سواری دیکھنے کی اجازت تھی۔ نواب سب سے پہلے بارہ دری کی زیارت کرتا تھا جہاں چھوٹی فاتحہ پڑھی جاتی تھی۔ اس کے بعد قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔ مردوں میں صافے اور ٹوپیاں تقسیم کی جاتی تھیں۔ نواب ہاتھیوں، اونٹوں اور گھوڑوں کے لیے فقیری ناڑے تقسیم کرتا تھا۔ شکاری پرندے بھی نواب سے تحفہ حاصل کرتے تھے۔ جبکہ مارچ پاسٹ کے بعد چھوٹی چھوٹی ٹولیاں آتی تھیں جو مختلف لباس پہن کر لیلیٰ مجنوں، حاجی ملنگ، سائیں، شیر، بھالو، بندر اور سیدّیوں کا سوانگ بھرتی تھیں یہاں تاش منڈپ بہت مقبول ومشہور تھا جس کے ستون چاندی کے تھے اور اوپر سونے کا کلس تھا۔ یہ منڈپ لنگر کے اس جلوس کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا جس میں لڑکے پیڑ کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہاتھوں میں لیے چلتے تھے۔ اس موقع پر فاتحہ خوانی برابر جاری رہتی تھی۔ مزدور شربت اٹھائے ہوتے تھے۔ آخر میں یہ لوگ حسینی علم کی زیارت کرتے تھے۔ بی بی کے علم پر فاتحہ کے بعد نواب دوپہر کا کھانا کھاتا تھا اور پھر بارگاہِ حسین کی طرف چلا جاتا تھا۔ پھول چڑھانے اور فاتحہ کے بعد لوگوں کو حلیم پیش کیا جاتا تھا۔ جلوس جو شاہ جھنڈا اور حسینی جھنڈا سے ہوتا ہوا محل کی طرف بڑھتا تھا اس میں پورے راستے میں بہت چراغاں ہوتا تھا۔ دکاندار بھی 'دھنیاں' پیش کرتے تھے۔ اگر نواب کسی دوسرے علم کے قریب سے گزرتا تھا تو وہ اس علم پر دھنّی اور رقم پیش کرتا تھا۔ پیر پادشاہ کے چلّے اور نواب کے آباؤاجداد کے لیے بھی فاتحہ پڑھی جاتی تھی۔ مرثیہ خوانی کے بعد قبولی تقسیم کی جاتی تھی۔ جوگنیں اپنا تلوار کا ناچ دکھانے آتی تھیں۔ شیر بندر اور بھالو کے سوانگ بہت مقبول تھے اور اس دن نواب انھیں مناسب انعام دیتا تھا۔

پٹواری اور پٹیل نواب کو چار بجے صبح دھتیاں پیش کرتے تھے۔

۶ رمحرم کا پروگرام بارہ دری اور زنانے محلوں میں بارہ بجے سلام خوانی سے شروع ہوتا تھا۔ بارہ دری میں فاتحہ کے لئے مردوں کو داخلے کی اجازت تھی۔ شب میں اچھی طرح چراغاں ہوتااور روشنی کے لیے ہدایات جاری کی جاتی تھیں۔ یہ خواتین کے حصے میں نواب تین بجے بھڑنگ کا سوانگ بھرتا تھا۔ اس میں اس کے چہرے کو سفید چاک سے رنگ دیا جاتا اور ایک جھولا اُس کی گردن میں لٹکادیا جاتا تھا،عورتیں اُسے خیرات دیتیں، مرثیے پڑھے جاتے۔ اس موقع پر مسلح عورتیں نواب کے تحفظ کی ذمہ داری نبھاتیں۔ بارگاہِ حسین اور دوسرے مقامات لوگوں سے بھرے رہتے اور فضا 'بھولک، دھپر ادوں' اور 'چھپرادروں'، وغیرہ سے ہمیشہ گونجتی رہتی۔ دوسری ٹولیاں بھی سوانگ بھرنے میں مصروف رہتیں۔ معارفہ کے ساتھ نواب کا جلوس ساڑھے چار بجے حسینی بنگلے پر پہنچتا۔ فاتحہ کے بعد ٹولیاں سوانگ میں اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں اور اس کے بعد سب کو حلیم تقسیم کیا جاتا۔ شاہی خاندان کے دوسرے مرد بھی فقیری لباس پہنتے۔ نواب کا جلوس نو بجے بارہ دری پہنچتا۔ بُراق کی شبیہ بارہ دری پر رکھی جاتی، فاتحہ اور پھر علموں کی گُل پوشی ہوتی اور روضہ خوانی اور مرثیہ اور نوحہ خوانی ہوتی۔ نقارے اور اُبدے برابر بجتے رہتے۔ شربت کے ساتھ مزعفر لوگوں کو پیش کیا جاتا۔ دوسرے مشروبات جو اس موقع پر پلائے جاتے اور ان میں دھنیا، قہوہ، نمکین بھنے بادام، چکنی ، الائچی اور تخمِ خیارین وغیرہ ہوتے تھے۔ پانچ بجے صبح روشن چوکی پر معارف بجانا شروع کردیا جاتا۔

۷ رمحرم کو عزاداری کا سلسلہ شام کو چار بجے بارگاہِ حسین میں شروع ہوتا اور چھوٹی فاتحہ کے بعد نواب حسینی بنگلے چلا جاتا جہاں حلیم پیش کیا جاتا، یہیں سے وہ صدر الدین کے عاشورخانے کی مجلس سنتا اس کے بعد وہ دوبارہ بارہ دری پہنچتا جہاں خواتین نیاز کراتیں۔ رات کو نو بجے بارگاہِ حسین میں امام زین العابدین کی چومکھہ عمل میں لائی جاتی۔ قرآن شریف کی تلاوت اور صدرالدین خاں کی مجلس کے بعد مرثیے پڑھے جاتے، شربت تقسیم ہوتا۔ فاتحہ کے بعد عورتوں وغیرہ کو قبولی پیش کی جاتی، دمدی کی تیلی، تابوت اور خونی علاوے دکھائے جاتے۔ خونی علاوے میں ایک شخص کو دکھایا جاتا جس کا سر تلوار سے کاٹا گیا ہو اور اس سے خون اُبل رہا ہو، اس کے پاس ہی ایک اور شخص کی لاش پڑی ہوتی۔

۸ رمحرم کا پروگرام بارہ دری میں بارہ بجے شروع ہوتا جہاں حضرت عباس کی فاتحہ کے بعد نواب خود مشکیزہ ہاتھ میں لے کر کلہڑوں میں لوگوں کو شربت پلاتا تھا۔ بارگاہِ حسین کی فاتحہ چار بجے شام کو

ہوتی۔ بہت بڑے مجمعے کے سامنے سوانگ کی ٹولیاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں۔ بارہ بجے رات کو بارگاہِ حسینی پر ایک بار پھر گل پوشی ہوتی، سب کو بریانی پیش کی جاتی۔ موسیقاروں کی ٹولی، ہاتھی، روشنی کا سامان، جھنڈے اور موچھل حضرت قاسم کی سواری لانے کے لیے قاضی صاحب کو بھیجے جاتے، بہت سی ٹولیاں سلام، مرثیے اور نوحے پیش کرتیں۔ کھانا پیش کیا جاتا اور پنج محلے میں خواتین کی نشست کا انتظام کیا جاتا صبح چار بجے بڑی کمان سے ہوتا ہوا حضرت قاسم کا جلوس آتا۔ قاضی دھتی پیش کرتا جس کے پیچھے دوسرے علم ہوتے۔ اس دن عام طور پر پانچ پلے چاول پکائے جاتے۔

نو محرم کی صبح دس بجے علم حضرت قاسم کی سواری واپس ہوتی اور گیارہ بجے ''اللہ علم' کی گل پوشی کی جاتی۔ علم کے حضور میں پیش کرنے کے لئے بہت سے عریضوں پر نواب کے دستخط کرائے جاتے۔ سہرا جو پانچویں محرم سے تیار کیا جانے لگتا تھا اب اعلیٰ درجے کے سرپیچ اور کلغیوں کے ساتھ تیار ہوتا۔ اس موقعے پر سب لوگوں کو مٹی کی رکابیوں میں کھانا پیش کیا جاتا۔ نواب خاندان کے لوگ اور دوسرے عمائدین نواب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور باقی لوگ 'ساما علم' کے پاس بیٹھتے۔ علماء کے لیے ایک الگ دسترخوان لگایا جاتا۔ گلال باد کے ستون ماہی مراتب، مورچھل، آفتاب گیری اور مہتاب گیری اور ذوالفقاری تلواروں سے سجائے جاتے۔ بارہ دری پانچ بجے شام کے بعد خواتین کے لیے کھولی جاتی۔ بارہ بجے رات کو ''بی بی کے علم'' پر ایک نیا سہرا چڑھایا جاتا، جس کی سواری اب روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار ہوجاتی۔ تمام علموں پر گل پوشی اور گلاب پاشی کی جاتی۔ خواتین علموں پر سے بادام، بتاشے، کاجو اور چاندی کے پھول نچھاور کرتیں۔ یہ جلوس بارگاہِ حسین کی طرف بڑھ جاتا۔ راستے میں دوسرے علم اس میں شامل ہوتے چلے جاتے۔ خواتین کو چومحلہ محل کے پاس بیٹھنے کو کہا جاتا۔ دوسرے علم بارگاہِ حسین پر صبح تین بجے پہنچتے۔ نواب خود دھتی اور نذر پیش کرتا اور اس کے بعد تین دوسرے عزاخانوں کی زیارت کو جاتا۔ گلپوشی اور گل پاشی کے بعد کچھ علموں پر سونے کی دھتیاں چڑھائی جاتیں اور اس کے بعد ''اللہ علم'' باہر لایا جاتا۔ نیز علم، ایک اونٹ پر آگے بڑھ رہا ہوتا۔ تمام علم بارگاہِ حسین لائے جاتے۔ چار بجے صبح معارفوں کی آواز کے ساتھ جلوس اپنی مسافت شروع کرتا۔ نشان (علم) ہاتھی باقاعدہ فوج کے ساتھ جامع مسجد پہنچتا۔ ان کے ساتھ 'علی غول'، وغیرہ بھی ہوتے۔ جلوس میں آگے اونٹ، بینڈ، نوبت، تمبو، تاشہ، دف، بگل، معارفہ، بانسری اور روشن چوکی ہوتی۔ سب سے آخر میں نواب اور شاہی خاندان کے لوگ ہوتے، ہاتھی، وقائع نگار اور نقارے ہوتے۔ ساڑھے چار بجے تمام علم، ممتاز الامراء

کے مقبروں پر پہنچتے جہاں فوج سلامی دیتی۔ علموں کو نواب کے آباواجداد کی قبروں سے مَس کیا جاتا۔
۱۰ محرم آٹھ بجے صبح خواتین چومحلہ محل میں جمع ہوتی تھیں۔ بارگاہِ حسین پر اونٹوں ہاتھیوں اور گھوڑوں کی قطاریں کھڑی کی جاتیں۔ تمام علم چومحلہ محل پر لائے جاتے اور پھر دوبارہ بارگاہ حسین پر واپس جاتے اور ایک تخت پر لٹا دیے جاتے۔ ہر طرح کی موسیقی بند کردی جاتی، ان پر پھول چڑھائے جاتے اور نواب سینے پر ہاتھ باندھے انھیں سلام پیش کرتا۔ فاتحہ ہوتی، اس کے بعد مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی ہوتی۔ اس کے بعد آثارشریف کی زیارت ہوتی جن میں امام حسینؑ کی تسبیح، حضرت حسینؑ کا موئے مبارک اور حضرت حسینؑ کا ایک خط جو کوفی رسم الخط میں کھال پر لکھا ہوا ہے، شامل تھے۔ بارگاہِ حسین میں نشان کا ہاتھی داخل ہوتا۔ بہت سی طوائفیں بال کھولے مرثیہ خوانی کرتیں۔ جلوس فوجی افراد کے ساتھ اپنا سفر شروع کرتا اور فوج کے لوگ فوجی کھیلوں کی نمائش کرتے۔ نواب منبر علم کے مقام پر واپس آتا اور اماموں سے متعلق بہت چھوٹی تصویریں (منی ایچر پینٹنگس) دیکھتا۔ اس کے بعد تمام آثار شریف چاندی کے بکس میں واپس رکھ دیے جاتے۔ اب بہت سے دوسرے علم بارگاہ حسینی میں آنے شروع ہوجاتے۔ یہ دھتی اور شربت لوگوں کو پیش کیا جاتا۔ آج کی تاریخ میں خواتین کے لیے قلعے پر انتظام کیا جاتا تھا۔ علم جن کے ساتھ فوج اور موسیقی کے ساز ہوتے تھے اُن کے پیچھے نواب چلتا تھا۔ تین دن تک شاہی مطبخ بند رہتا تھا۔ ضرورت کے مطابق سارا کھانا ۹ محرم کو ہی تیار کرلیا جاتا تھا جو روغنی روٹی، پراٹھے، خمیری پھلکے، کلچے، نان، باجرے کی روٹی، شیرمال، گاؤزبان، گاؤدیدہ، نان خطائی، باقر خانی، بگھاری مرچ، بگھارے بینگن، اموٹے کی بھاجی، امباڈا بھاجی، کھڑی دال، بیسن، کریلا، میٹھا کاشی پھل، دہی کی کڑھی، حلوہ سوہن، آملہ مربہ، گاجر حلوہ، بادام نوز، آمہ مربہ، دم کے روٹ، برفی، جلیبی ٹکلیاں، کھجور، چونگے اور بٹی وغیرہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ایک بجے نواب پھر بارہ دری میں پہنچ جاتا تھا۔ ان کا شربت سب میں تقسیم کیا جاتا تھا۔
نواب 'سگِ حسینؑ' کا سوانگ بھر کر کتے کی طرح قبولی کھاتا تھا۔ جلوس نوحہ خوانی اور نگاڑوں کی آواز سے شروع ہوتا تھا۔ سب سے آگے منبر کا علم اور دوسرے علم نکالے جاتے تھے۔ جو سب سے بعد میں آتا تھا وہ بی بی کا علم ہوتا تھا۔ جتنے لوگ وہاں موجود ہوتے تھے وہ بہ آواز بلند روتے تھے اور ہائے ہائے حسین، کے نعرے بلند کرتے تھے۔ دھتی اور سہروں کو دوبارہ درست کیا جاتا تھا اور شربت پلایا جاتا تھا۔ پورے راستے میں علم جگہ جگہ رُکتے تھے اور کچھ دیر کے لیے آرام کرنے حیدرمحل پر قیام

کرتے تھے۔ نگاڑوں کی آوازوں کے ساتھ اللہ علم کا جلوس شروع ہوتا تھا اور اس کے پیچھے دوسرے علم ہوتے تھے۔ نواب اور عام لوگ علموں کی سلامی کے لیے ننگے پیر تیز تیز قدم بڑھاتے تھے۔ کچھ مخصوص خواتین کو پتراننت تالاب پر حاضر ہونے کی اجازت ہوتی تھی جہاں تمام علم پانی میں لٹادیئے جاتے تھے۔ الگ الگ ٹولیاں مرثیہ پڑھتی تھیں۔ نواب اور اس کے خاندان کے لوگ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔ جلوس میں جھنڈے کے ساتھ توپیں بھی شامل ہوجاتی تھیں۔ اب اس جلوس میں ہالوں کا تعزیہ، شاہ جھنڈا، بڑا پنجاعلم، بڑے امام علم، بھی شامل ہوتے ہیں۔ آخر میں شام کے وقت یہ سب تالاب کے کنارے پہنچ جاتے تھے جہاں حسینی جھنڈا لہرا رہا ہوتا تھا۔ وہاں دو خیمے اور شامیانے نصب ہوتے تھے، نگاڑے اور نوبت بج رہی ہوتی تھی۔ اس کے بعد سارے علم یہی عمل انجام دیتے۔ سب پہلے خیمے میں لٹادیئے جاتے اور لوگ انھیں مَس کرکے سلامی دیتے، بگل کی آواز کے ساتھ ہر طرح کی موسیقی اور ساز خاموش ہوجاتے تھے۔ توپیں داغ کر سلامی دی جاتی تھی۔ نوحہ خوانی، فاتحہ خوانی کے بعد تمام علم کھول دیئے جاتے۔ بی بی کا علم حیدر محل میں رہتا۔ تمام علموں کو پہلے عرقِ گلاب، پھر دودھ، پھر پانی سے صاف کیا جاتا تھا۔ پھر ان پر پھول چڑھائے جاتے تھے اور عطر لگائے جاتے تھے ۔ ایک بار پھر فاتحہ اور گُل پوشی ہوتی تھی۔ تمام بکسوں کوالوداع الوداع کے نعروں کے ساتھ بارگاہِ حسینی میں واپس لے جایا جاتا تھا۔ اس کے بعد حاضری کا کھانا پیش کیا جاتا تھا جس میں نان، قورمہ، روٹ، چنگے، گنج کے پیالے اور بتی وغیرہ شامل ہوتا تھا۔ اس کے بعد دودھ کا شربت پلایا جاتا۔ روشنیاں اتار لی جاتی تھیں مگر عرب مرفس کھیلتے رہتے تھے۔ رات کو بارہ بجے مزعفر سے مدارات کی جاتی تھی۔

گیارہ محرم کو صبح نو بجے حیدر محل میں مجلسِ عزا برپا ہوتی تھی جس میں مجلس اور مرثیہ خوانی ہوتی تھی، شام کو تابوتوں پر پھول چڑھائے جاتے اس روز بہت سے گوسائیں عاشورخانے میں آتے تھے۔ صوفی قسم کے لوگ ایک بہت اونچا علم بارگاہِ حسینی میں لاتے تھے جس میں پیڑوں کی ہری ہری شاخیں اور نارنگیوں اور بتاسں کے ہار لٹکے ہوتے تھے۔ نواب انھیں بہت اچھی نذر پیش کرتا تھا۔

بارہ محرم کی صبح شاہی مطبخ قرآن کی تلاوت کے ساتھ کھلتا تھا۔ فاتحہ کے بعد کھچڑی پیش کی جاتی تھی۔ بارگاہِ حسین پر ایک بار پھر فاتحہ خوانی ہوتی تھی، اس وقت کسی قسم کی موسیقی نہیں ہوتی تھی۔ لکڑی کا گلال بادہٹا کر پھول چڑھائے جاتے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم اور امام زین العابدین کی فاتحہ ہوتی تھی۔ مٹھائی تقسیم ہوتی تھی اور اس کے بعد موسیقی کی اجازت ہوجاتی تھی۔ تمام تابوت نعمت خانۂ حیدر

محل میں رکھے جاتے تھے۔ سلام کے بعد الوداع نوحے کے انداز میں پڑھی جاتی تھی اور لوگ سینے کا ماتم شروع کردیتے تھے۔ فاتحہ کے بعد تمام علموں کو ایک کمرے میں مقفل کر کے مہر بند کردیا جاتا تھا۔ اس مخصوص مجمع کی بریانی اور بڑ ہانی سے مدارات کی جاتی تھی۔ عاشورخانوں کی چابیوں کی نواب کو واپسی عزاداری کے دنوں کے اختتام کی اطلاع سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد 'دہم'، 'ستم'، اور 'چہلم'، کی رسوم حیدر محل میں ادا ہوتی تھیں جن میں سوانگ کے مظاہرے مرثیہ خوانی روضہ خوانی اور دعوت وغیرہ شامل ہوتی تھی۔